کشمیری صوفی شاعری

ترتیب و تزئین

خلیل مامون، شفیع شوق

آل انڈیا اردو منچ

سرینگر

کشمیری صوفی شاعری

ترتیب وتزئین

خلیل مامون ، شفیع شوق

آل انڈیا اردو منچ

سرینگر

سِلسلۂ انتخابات

قیمت : 250.00 روپے

کمپوزِنگ : ارجُمند

طباعت : حقانی آفسیٹ پریس، سرینگر

ترتیب

عرضِ ناشر

آل انڈیا اردو منچ نے کشمیر یونیورسٹی کے اشتراک سے نومبر 2004ء میں ایک چار روزہ ورکشاپ کا اہتمام کیا جسمیں کشمیر کے نامور ادبأ اور شعرأ کے علاوہ یونیورسٹی کے طلبأ، طالبات اور ریسرچ سکالروں نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ اس ورکشاپ کا مقصد کشمیری زبان کے چند نمایندہ کلاسیکل شعرأ کی منتخبہ تخلیقات کا ترجمہ اردو میں اور اردو کے منتخبہ کلاسیکل شعرأ کی منتخبہ تخلیقات کا ترجمہ اردو زبان میں کرنا تھا۔ شاعری کا ترجمہ کرنا نہایت ہی دشوار کام ہے اور پھر اتنے کم وقت میں ترجمہ کرنا اور دشوار ہے۔ لیکن کشمیر کے ترجمہ کاروں نے یہ چیلینج قبول کیا اور یہ دشوار کام سرانجام دیا۔ اس ورکشاپ میں جن اصحاب نے بحیثیتِ ترجمہ کار حصہ لیا انکے نام ہیں: پروفیسر رحمٰن راہی، جناب فاروق نازکی، پروفیسر مرغوب بانہالی، پروفیسر غلام رسول ملک، جناب غلام نبی ناظر، پروفیسر مشعل سُلطانپوری، پروفیسر گُلشن مجید، پروفیسر مجید مضمر، پروفیسر نسیم شفائی، محترمہ رُخسانہ جبین، ڈاکٹر مجروح رشید، ڈاکٹر رتن لال تلاشی، ڈاکٹر بشر بشیر، ڈاکٹر تسکینہ فاضل، ڈاکٹر محفوظہ جان اور پروفیسر شفیع شوق۔ اس ورکشاپ سے حاصل شدہ مواد کی ترتیب و تزئین بعد میں پروفیسر شفیع شوق نے سرانجام دی اور

اسطرح کشمیری اور اردو شاعری کے تراجم پر مشتمل دو کتابیں سامنے آئیں۔

آل انڈیا اردو منچ کی گونا گون سرگرمیوں میں ملک کی مختلف زبانوں میں دستیاب شاہکار تخلیقات کے ترجمے کی غرض سے ورکشاپوں کے ایک لمبے سلسلے کا انعقاد بھی شامل ہے۔ ترجمہ کاری کے اس عمل کا بنیادی اصول یہ ہے کہ دنیا کا تخلیقی ادب ایک ہے جو مختلف زبانوں میں دستیاب ہے۔ ترجمے کے وسیلے سے نہ صرف ہر زبان کا ادب وسعت پائے گا بلکہ ان زبانوں کے بولنے والے ایک دوسرے کو بہتر سے بہتر طور اور زیادہ سے زیادہ سمجھ سکیں گے اور اسکے نتیجے میں زبانوں اور قوموں کی افراط وتفریط کے پسِ پردہ انسانیت کی مشترکہ قدروں کی آبیاری ہو پائیگی۔

آل انڈیا اردو منچ ان تمام ترجمہ کاروں کا بے حد مشکور ہے جنہوں نے ورکشاپ میں پورے جوش وخروش کے ساتھ ترجمہ کاری کی اپنی اپنی مہارت کا بھر پور مظاہرہ کیا۔

آل انڈیا اردو منچ کشمیر یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر عبدالواحد صاحب کا نہایت ہی ممنون ہے جنہوں نے ہمارے اس ورکشاپ کی کامیابی کیلئے اپنی ذاتی دلچسپی دکھائی۔ امید ہے کہ **آل انڈیا اردو منچ** اور کشمیر یونیورسٹی کا اشتراک قائم رہیگا اور ہم عنقریب ہی اسطرح کے اور پروگرام کا انعقاد کر پائینگے۔

خلیل مامون

کشمیری صوفی شاعری

سریت بنی نوع انسان کے بنیادی اور امتیازی خصوصیات میں سے ایک ہے۔ یہ نہ صرف ایک رویّہ ہے جو انسان نے اپنے تہذیب ارتقاً کے سفر میں اپنایا بلکہ انسان کا ایک جبلتی ردِعمل ہے جو عام زندگی میں بھی بار بار ظاہر ہوتا ہے اور شدید دروں بینی کی کیفیات میں ناگزیر ہے۔ جونہی ایسے مخصوص ارتکازی لمحات میں ہمارا ذہن علت ومعلول کے ظاہری رشتوں سے دامن چھڑا کر رنگ وصور کے حجابات سے آگے قدم بڑھاتا ہے، سب منضبط نظریات، لسانی تشکیلات کی شکل میں قبول کئے گئے مفروضات اور فرسودہ عقیدے بوسیدہ دیواروں کی مانند گر جاتے ہیں اور باقی رہ جاتی ہے نیبولائی حقیقتیں، بے نام دھند ھلکے اور خاموشیوں میں لپٹی گمانوں کی وادیاں جہاں عقل اور استدلال کا کوئی گذر نہیں بلکہ صرف خاموشی کی زبان اختیار ہوئے تخیل کا جو اِن وادیوں میں سرگردان مسافر کو دوسروں کیلئے قابلِ فہم بنانے میں رہبری کرتا ہے۔ ایک بیدار روح کی اِس ضِد میں اگر کوئی وسیلہ کام آتا ہے تو وہ فقط شاعری ہے۔ ایک ایسی شاعری جسکا بیان بھی خاموشی ہے اور مقصد بھی خاموشی۔

ہزاروں سال سے انسان کی بیقرار روح گمان کی اِن وادیوں میں وارفتہ رہی ہے کیونکہ متلاشی روح سے باہر کی دنیا ایک ایسے حُسن سے آراستہ ہے جسکی فطرت ہی تماشائی کے ذہن میں اندیشہ ہائے دور دراز پیدا کرنا ہے:

کشمیری صوفی شاعری

تو کہ آرائشِ خمِ کاکل

میں کہ اندیشہ ہائے دور دراز (غالب)

آج جب حقیقت سمجھنے کیلئے ہمارے پاس تحقیق و جستجو کی بدولت حاصل کئے گئے بے پناہ علوم ہیں اور کوتاہ نظر کو لگتا ہے کہ ہم سب کچھ جان سکتے ہیں، ان علوم کا سب سے بڑا حصول پھر بھی ایک بے نام تحیّر ہے کیونکہ علم کی ہر پیش رفت سے دریافت ہوتا کہ ہمیں کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔ حقیقت ایک ایسی کتاب کی مانند سامنے آجاتی جسکی نہ تو کوئی تمہید ہے نہ جسکا کوئی اختتام ہے۔ ایک ایسی کتاب جسکی تحریر سے ہم واقف نہیں اور جسکا ہر ورق ورقِ ناخواندہ ہے۔

مازِ آغاز و زِ انجامِ جہاں بے خبریم

اوّل و آخر ایں کُہنہ کتاب افتادہ است

دنیا کی ہر زبان کی اعلیٰ شاعری اسی کتابِ کُہنہ کی افہام و تفہیم کی رائگان مگر ناگزیر کوشش ہے کیونکہ شاعروں کے تخیّل میں منعکس جلوے ایسا اضطراب پیدا کرتے ہیں کہ بیان کی کوشش کئے بنا رہا نہیں جاتا۔ ایسی شاعری کی افادیت اسلئے کسی قابلِ قبول جواب میں نہیں ہے بلکہ پڑھنے یا سُننے والے متلاشی ذہن میں بھی تحیّر کا ارتعاش پیدا کرنا ہوتا ہے۔

دنیا کی باقی زبانوں کی طرح کشمیری زبان میں بھی سری موضوعات اس زبان کی شاعری میں آغاز سے ہی غالب موضوعات رہے ہیں۔ ہمالیہ کے فلک بوس کوہساروں کے درمیان کشمیر کی وادی ہزاروں سال سے فکر اور تلاشِ حق کیلئے بہترین جگہ رہی ہے۔ یہاں کی فضاؤں میں ہی کچھ ایسی کیفیت ہے جو دُنیاوی قید سے آزاد ہونے کی اُمنگ پیدا کرتی ہے اور روح مجذوبی حالت میں محاسبہ اور مراقبہ کو اولیت دینے لگتی ہے۔ یہی

وجہ ہے کہ قدیم زمانے سے ہی راہِ حق پر گامزن مسافر کشمیر کی طرف کوچ کرتے رہے اور باطِل سے کنارہ کشی کرنے کیلئے اور عرفان حاصل کرنے کیلئے اسی خطِ ارض کو اپنا دنیاوی مسکن بناتے رہے۔ یہاں کی پُر کیف فضاؤں میں جذب ہوکر اور حلول اور اتحاد کے مرحلوں سے گذر کر کر مکاشفہ پاتے گئے اور اس حالت کو الفاظ میں بیان کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

مہاراجہ اشوک نے تیسری صدی قبل مسیح میں کشمیر کو فتح کیا اور اسکے فوراً بعد کشمیر بُدھ مت کا بہت بڑا مرکز بن گیا۔ ناگ ارجن کی سربراہی میں کشمیر میں بُدھ مت نہ صرف ایک مضبوط عقیدے کے طور پر اُبھرا بلکہ ایک مربوط فلسفے کے طور پر بھی وُسعت پایا۔ یہاں سے ہی بُدھ بھکشو پورے وسط ایشیا کے ممالک کی طرف بھیجے جاتے تھے۔ چینی سیاح ہیون سانگ نے 631ء میں اپنے سفرنامے میں لکھا کہ وادی میں ایک سو سے زیادہ بُدھ مت کے مرکز قائم تھے۔ ساتویں اور آٹھویں صدی کے بعد بدھ مت کشمیر میں زوال پزیر ہوا اور اسکی جگہ شیومت نے لی۔ اگرچہ کشمیر کے پنڈِت عالموں کا ماننا ہے کہ شیومت بدھ مت سے پہلے بھی کشمیر میں رائج تھا اور کشمیر میں ہی شِو اور پاروتی کا وصال ہوا اور اسی سرزمین پر شِوسوتر نازل ہوئے، پر ایک باقاعدہ فلسفے کی صورت میں شیومت آٹھوین صدی عیسوی کے بعد ہی اُبھرا۔

شنکراچاریہ نے جب پورے ہندوستان میں بُدھ مت کے شونیہ واد کے خلاف ادویتا کا پرچار کیا تو کشمیر کی طرف بھی بہت سارے وِدھوان چل پڑے۔ کہا جاتا ہے کہ شنکر اچاریہ خود بھی کشمیر آئے تھے۔ (اس بات کی اگرچہ کوئی تاریخی شہادت نہیں ہے، البتہ سرینگر کے پاس شنکراچاریہ مندر کی قدامت قابلِ غور ہے۔)

کشمیری صوفی شاعری

کشمیری شیومت بنیادی طور ایک توحیدی فلسفہ ہے جو وجود اور حقیقت کے درمیان امتیاز کے خلاف ہے۔ کشمیری شیومت جنوبی ہندوستان کے شیومت سے بالکل مختلف ہے کیونکہ اسمیں بُت پرستی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مادھواچاریہ نے اپنی تصنیف ''سَر وَدَرشنہ سنگرَہہ'' میں کشمیر شیومت کو شامل نہیں کیا ہے۔ اس نے اسے پرتی بھجنیا درشن کہا ہے۔ کشمیر شیومت کو ''ترکا شاستر'' بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اسکے تین مدرسہ فکر ہیں: آگمہ شاستر، سپنداشاستر اور پرتی بھجنیا شاستر۔

کشمیری شیومت کا بانی واسوگپت نام کا ایک سنت مانا جاتا ہے جسے آٹھویں صدی عیسوی میں شِوسوتروں کا عرفان سب سے پہلے ہوا۔ واسوگُپت کا مسکن شالیمار باغ کے قریب ایک خوبصورت جگہ ہارون میں تھا۔ واسوگپت کے بعد کئی فلسفیوں نے شیومت کے نظریات کی تفسیریں لکھی ہیں جو روحانی علم کا عظیم الشان ذخیرہ ہیں۔ کھیمراج، کھمندر، اُتپل، بھاسکر، کلٹ، سومانند اور ابھنوگُپت شیومت کے ایسے بڑے دانشور ہیں جنکی تصانیف کی وُسعت حیرتناک ہے۔ ان سب فلسفیوں کا کلیدی نظریہ یہ ہے کہ شکتی اگر نہ ہوتی تو شِو محض ایک شَو (مُردہ جسم) ہوتا۔ شِو اور شکتی اصل میں ایک ہیں۔ اسیطرح شکتی کا اظہار شِو کے بغیر ناممکن ہے۔ کشمیری شیومت اس اعتبار سے ویدانت کے برعکس دُنیا کے مادی وجود سے منکر نہیں ہے اور کثرت میں وحدت کا حامل ہے۔ حقیقت کی تلاش کیلئے سالک کو ترکِ دُنیا کی ضرورت نہیں ہے بلکہ حقیقت کو اپنے روح کی بیدار حالت میں دیکھنا چاہئے۔

کشمیری شاعری شیومت کے خیالات اور تصورات سے مالا مال ہے۔ لل دید (چودھویں صدی) کی شاعری اس طرح کی شاعری کی بہترین مثال ہے۔ وہ ایک ایسی

کشمیری صوفی شاعری

شاعرہ تھیں جو دُنیا میں فرد کی تنہائی ،غفلت کی پستی اور تزکیۂ نفس اور پھر روحانی اِرتقاع کے موضوعات کو شعری اظہار دینے کیلئے نہایت ہی تازہ اور تحیّر سے لبریز استعارے، پیکر اور علامتیں اختراع کرتی ہیں۔ انکی لامثال اور لافانی شاعری کا تامل سے مطالعہ کرنے پر یقین ہوتا ہے کہ وہ ایسی نابغہ تھیں جسے اُن تمام جمالیاتی نظریات کا بھرپور شعور تھا جو اُن سے بہت پہلے کشمیر کے مایہ ناز ماہرین جمالیات اور شیوی فلسفیوں نے پیش کئے تھے۔ اُن کی شاعری میں جگہ جگہ ابھِنو گُپت ، آنندوردھن ، ممٹ اور کھِمندر جیسے عظیم مفکروں کے خیالات کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ لل دید اپنے دور کی افراتفری سے بے نیاز ہو کر آفرینشِ انسان اور وجود کے رموز واسرار کو فنکارانہ بصیرت اور بیان کے سلیقے کے ساتھ پیش کرنے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔

چودھویں صدی میں جب اسلام کشمیری عوام کا مذہب بنا اور یہاں پہلی بار مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئی، تو شیومت کی جگہ اسلامی تصوف نے بہت آسانی سے لی کیونکہ عام لوگوں کو تصوّرِ رسالت کے بغیر ان دو فلسفوں میں کوئی خاص اختلاف نظر نہیں آیا۔ 726 ھ یعنی 1324ء میں جب کشمیر کے ایک راجہ رنچن شاہ نے اسلام قبول کیا اور سُلطان صدرالدین نام اختیار کیا، کشمیر میں ایران اور دیگر وسط ایشیائی ممالک سے آئے ہوئے مبلغوں کیلئے ماحول سازگار بنا۔ 1342ء میں ایران سے آئے ہوئے ایک زبردست ذہین درباری شاہ میر نے کشمیر کی رانی کوٹہ کے ساتھ شادی رچائی اور ملک کی حکومت اپنے ہاتھوں میں لے لی اور اسطرح کشمیر میں شاہمیری دورِ حکومت کا آغاز ہوا۔ 1372ء میں اسلام کے عظیم مبلغ حضرت امیر کبیر میر علی سیّد ہمدانیؒ پہلی بار کشمیر تشریف لے آئے۔ اُن کی تشریف آوری کے ساتھ ہی کشمیر میں جگہ جگہ اسلامی مکتبے قائم کئے گئے

کشمیری صوفی شاعری

جسمیں قُرآن اور حدیث کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اسکے ساتھ ساتھ وسطِ ایشیا سے ہزاروں روحانی بزرگ، مبلغ، اور کاریگر کشمیر آنے لگے۔ اِن بزرگوں نے اسلامی تصوف کی تعلیم کو عام کیا اور ساتھ ساتھ عام لوگوں کو مختلف صنعتوں میں تربیت دی۔ بیرونی جارحیت اور اندرونی سیاسی انتشار سے پریشان کشمیر کے غریب عوام نے فوراً کسی ظلم اور جبر کے بغیر اسلام قبول کیا اور اسطرح اسلام کشمیر کا اکثریتی مذہب بن گیا۔

اسطرح سے اسلامی تصوف شیومت سے الگ ہو کر شریعت، طریقت، معرفت اور حقیقت کا ایک ایسا منضبط نظریہ حیات بن گیا جسمیں رہبانیت کیلئے کوئی گنجایش نہیں بلکہ جہدِ حیات میں شامل رہ کر ہی پاسِ انفاس کے ذریعے مشہود کی صورتوں میں ہی شاہد کی جلوہ گری دکھائی دیتی ہے اور انسان کہہ سکتا ہے" الا کل شی ما خلا اللہ باطل "(لبید)۔

حضرت نورالدین ولیؒ (1377ء-1438ء) کشمیری زبان میں اسلامی تصوف کے سب سے پہلے اور سب سے بلند مرتبہ شاعر جانے جاتے ہیں۔ اُنکے کلام میں نہایت ہی آسان زبان میں اور روزمرہ کی معمول زندگی کے مشاہدات کے حوالوں سے تصوّف کے نہایت ہی باریک مسائل کو سمجھایا گیا ہے۔ حضرت نورالدینؒ نے کشمیر کے ہر گاؤں کا دورہ کیا اور اپنے کلام کے ذریعے لوگوں کو فرسودہ رسم و رواج اور توہمات سے آزاد کیا اور سیاسی اور اقتصادی استحصال کے خلاف برسرِ پیکار ہونے کیلئے بیدار کیا۔ وہ کشمیری عوام کے روحانی رہنما بننے کے ساتھ ساتھ انکے سب سے بڑے نمائندے بن کے اُبھرے اور عوام نے انہیں علمدارِ کشمیر کا خطاب دیا۔

سولہویں صدی کے آغاز کے ساتھ ہی ملکِ کشمیر پھر سے سیاسی انتشار اور خانہ جنگی میں

پھنس گیا۔ شاہمیری سلطنت کے وارث آپس میں لڑتے رہے، فرقہ وارانہ فسادات عام ہوئے، اور بیرونی جارحیت بڑھتی گئی۔ یہاں کے عوام دو وقت کی روٹی کیلئے محتاج ہو گئے اور اپنی جان بچانے کیلئے مجبور ہو گئے۔ ایسے حالات میں شعر و ادب کیلئے کوئی جگہ نہ تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم کشمیری ادب کی تاریخ میں دو سو سال کا ایک طویل خلاء پاتے ہیں۔

ظلم و جبر اور سیاسی و اقتصادی بدحالی کے لمبے دور میں کشمیری شاعری محض لوک گیتوں تک محدود رہی۔ البتہ سولہوین صدی کے وسط میں لوک گیتوں کے طرز میں ایک عظیم شاعرہ حبہ خاتون نے ایسا کمال دکھایا جسکی مثال آج تک کوئی نہیں۔ اگرچہ انکے گیتوں میں بھی تصوّف کی جھلک دکھائی دیتی ہے، پر ہم انہیں صوفی شاعرہ کے طور پر پیش نہیں کرسکتے۔ وہ کشمیری زبان کی بینظیر رومانی شاعرہ تھیں۔

سرینگر کے ایک روحانی بزرگ حبیب اللہ نوشہری حمیؒ (؟-1617ء) نے شیخ نور الدینؒ کے بعد پھر سے صوفی شاعری کو عام کیا اور شاعری اور سمع کو تزکیۂ نفس کا سب سے اہم ذریعہ مانا۔ پر صوفی شاعری کا باضابطہ آغاز اٹھارہویں صدی میں ہوا جب کشمیر کے مقبول ترین شاعر محمود گامی (؟-1855ء) نے لوک گیتوں کے لہجے کو اختیار کر کے اسلامی تصوّف کے پیچیدہ مسائل کو عوامی زبان میں آسان بنا دیا۔ انکے سینکڑوں گیت اور انکی صوفیانہ موضوعات پر مبنی مثنویاں آج تک کشمیری عوام میں بے حد مقبول ہیں۔ انکے گیت اور انکی مثنویاں وحدت الوجود فلسفے کا فنی روپ ہیں۔ انہیں فارسی شاعری کا بھرپور مطالعہ تھا اور وہ اپنی کشمیری شاعری میں مسائلِ تصوّف کے اظہار کیلئے فارسی شاعری کی روایات کی تقلید کرنے کے ساتھ ساتھ کشمیری شاعری کی لوک شاعری کی شیرینی، سادگی اور روانی کا سہارا لیتے ہیں۔ محمودؔ کی شاعری میں فارسی کی کلاسیکیت اور

کشمیری صوفی شاعری

کشمیری شاعری کی لوک لَے کا جو سنگم ہوا وہ انکے بعد تمام کشمیری صوفی شاعروں کیلئے ایک مظبوط روایت بن گیا اور آج تک تمام صوفی شاعر اسی روایت کی تقلید کرتے آئے ہیں۔ یہ ایک ایسا شاعرانہ لہجہ ہے جسمیں سے آج تک لاتعداد نغمے پھوٹتے ہیں۔

محمود گامی کے بعد کشمیری زبان میں سینکڑوں صوفی شاعروں نے وحدت الوجود کے بسیار پہلو فلسفے کو کبھی تقلید اور کبھی اجتہاد سے کام لیکر نغماتی شاعری کا جامہ پہنایا ہے۔

صوفی شاعروں کی طویل فہرست میں سوچھ کرال، شمس فقیر، رحمان ڈار، نعمہ صاحب، احمد بٹواری، وہاب کھار، صمد میر، لسہ خان اور احد زرگر چند ایسے شاعر ہیں جنہوں نے روایت کی اندھی تقلید نہیں کی اور اپنے اپنے مخصوص انداز میں صوفی شاعری کی روایت میں اضافہ کیا ہے۔

کشمیری صوفی شاعری میں ہمیں مواد اور ہیت کے لحاظ سے وہی سب کچھ ملتا ہے جو ہندوستان کے دیگر مقامات میں بھکتی کال کے شعرا اور صوفیا کے کلام میں موجود ہے۔ ان میں کنڈ کے الّا ما پر بھو، اکا میا دیوی سے لیکر بھکت کبیر سب شامل ہیں۔ کشمیر کے اکثر صوفی شعرا کے کلام کا مطالعہ کرتے ہوئے ہمیں ہندوستان کے بیشتر صوفیا اور بھکتی شعرا کی یاد آتی ہے۔

خلیل مامون

لل دید

(؟---1384ء)

O

اوم بس ایک اکھشر ہے، میں نے پڑھا
ایک اکھشر کو میں نے اپنے دِل میں سمویا
ایک اکھشر کو میں نے پتھر پر تراشا
میں بجھی راکھ تھی اب سونا ہو گئی!

O

بیچ سمندر میں اپنی ناؤ کھینچے جا رہی ہوں
اے کاش! اللہ مجھے بھی پار لے جائے
جیسے کچے برتنوں سے پانی رستا رہتا ہے
میری جان کو اُسی طرح گھر کی یاد آتی ہے

O

تو گگن ہے تو ہی دھرتی

تو ہی دِن ،تو ہی پون ،تو ہی رات

ارگ ، چندن ، پھول ،اور پانی ،سب تو ہے

سب کچھ جب تو ہی تو ، تجھے ارپن کیا کروں؟

O

تو ، بس تو پوری کائنات اور دھرتی کے اندر اور باہر

تو نے ہی ہڑیوں کے ڈھانچوں میں جان بھر دی

ہر اور تو ہی تو بِنا آواز بج رہا ہے

کون ہے جو تمہاری عظمت کو دیکھ سکے!

O

ایک جھیل ہے اس طرح لبریز کہ ایک دانا بھی سما نہ پائے

اسی جھیل سے سب جیو جنت پانی پیتے ہیں

مرگ ، گیدڑ ، گینڈا ، اور جل ہاتھی

جیتے جی یا نہ جیتے ہوئے اسی جھیل میں گِر جاتے ہیں

O

شِو ایک ہلکی جال ہے، ہر طرف پھیلی ہوئی
ہڑیوں کے ڈھانچوں بھی شِو ہی سما گیا ہے
زندہ ہوکر اگر تم اُسے جان نہ پاؤ تو مر کر کہاں
اپنے ہی اندر جھانکو اور اُسے پہچان لو

O

اچھے اور بُرے، سب جیون پائے
ایک ہی ماں کے شکم کو درد دیکر
ادھر اُدھر بھاگ دوڑ کر کے پھر اُسی دروازے سے لوٹے
بہت مشکل ہے شِو۔ جان لے میرا یہ اُپدیش

O

کیوں تو اندھے کی طرح اندھیاروں میں ٹٹول رہا ہے
تو گر ہوشیار ہے، جا اپنے اندر چلا جا
وہیں، بس وہیں تمہارے شِو کا بسیرا ہے
میری اِس سچ بات پر یقین کر

O

میرے من سے میل ایسے نکلا جیسے آئینے سے زنگار اُٹھے
پھر جا کے مجھے سچ کی پہچان ہوئی
جب اُسے ہی اپنے اندر باہر پایا
تو پھر وہی سب کچھ ہے، میں کوئی نہیں

O

گھاس، پھول، تیل، دیپ، اور جل...... اسے نا چاہئے
صاف من سے جو کوئی سچ کو اپنے من میں جگہ دے
اور اپنے ارادے سے شمبھو کو چاہتا رہے
سچّا عمل بس وہ ہے، اور کوئی پوجا نہیں

O

من پجاری ہے اور یقین پوجا
عقیدت کے پھول اسے نچھاور کرنا
اپنے شعور کا جل اس پر چڑھائے جا
خاموشی کے منتر سے کہیں وہ جاگ اُٹھے

O

میں لل اُس کے پیار میں سب کچھ چھوڑ کر نکل اُٹھی
میرے دِن میری راتیں تلاش میں ہی بیت گئیں
تب آخر پنڈِت کو اپنے گھر میں بیٹھے دیکھا
بس اُسی شُبھ پل کو میں نے اپنے جیون کا حاصل سمجھا

O

اندر ہی اندر میں اپنے چاند کو کھوجتی رہی
اور کھوجتی رہی تفریط میں مماثلتیں
ہر شَے میں تمہیں ہی سمائے پایا
جب سب تو ہی تو ہے پھر یہ بدلتی صورتیں کیوں؟

O

اپنے آپ کی کھوج میں جب تھک کر نڈھال ہوگئی
کوئی بھی یہ چھپا گیان پا نہ سکا
آخر پیار کی راہ لے کر میں منزل تک جا پہنچی
ہر پیالہ میں نے بھرا پایا، پر کوئی پینے والا نہ دیکھا

O

اپنے اندر کا دشت جب میں نے باہر نکالا
میں لل اپنے سب ہوش وحواس کھو بیٹھی
تب جا کے میں اپنے آپ کو پہچان سکی
اور تب مٹی سے کنول کھل اٹھا

O

سیدھے رستے میں یہاں آئی پر اُس رستے واپس نہ جا پائی
دریا کے کنارے پر پہنچی جب دِن ڈھل چکا
اپنی جیب کو ٹٹولا، دیکھا خالی ہے
پار جانے کیلئے اب کیا میں پیش کروں؟

O

کِس دیش سے آئی ہوں اور کِس دیش جانا ہے
کس اور جاؤں، رستہ معلوم نہیں!
آخری سچ یہی جان پائی
اس خالی پھونک کی کوئی قیمت نہیں

O

نبات کے بوجھ کی رسی ڈھیلی پڑ گئی

میری کمر بھی کمزور ہے، بوجھ کیسے اُٹھائے پھروں

گُرو کی بات سُن کر اپنے کھونے کا افسوس ہوا

بِن گڑریا بھیڑوں کی جھُنڈ ہر طرف بکھر گئی

O

کیوں تُم موہ کے ملبے کے نیچے دب گئے؟

کنارے مِٹا مِٹا کے اندھیروں کی باڑھ میں بہہ گئے

موت کے فرشتے آخر کھوج کے تمہیں باہر نکال ہی لینگے

کون ہے جو تمہیں اس خوف سے بچا سکے؟

O

اے میرے من! کیوں تُم فریب کے نشے میں کھو گئے؟

کیوں اس جھوٹ کو سچ سمجھ بیٹھے؟

جھوٹ کی دنیا نے تمہیں جھوٹ کے دھرم کا سیوک بنا دیا

صرف اس لئے کی تُم آواگون میں گرفتار رہو!

O

سچ جاننے کے لئے یہ مون اور منتر سب بیکار ہے
خالی چاہنے سے تُم مکتی کا دوار پا نہ سکو گے
تُم اگر پانی میں نمک کی طرح بھی رہو
سچ کا راز سمجھنا پھر بھی دشوار ہے

O

میری کمان لکڑی کی اور تیر ایک تنکا ہے
کسی بے ہُنر تُرخان نے میری حویلی تعمیر کی ہے
میں جیسے بیچ بازار میں تالا لگائے بغیر دوکان
میں بغیرِ تیر تھ واپس چل دی

O

یہ (بھیڑ) تمہیں شرم سے اور ٹھنڈ سے بچائے
بس گھاس پھوس اور پانی پر گذارہ کرے
کِس مورکھ نے تجھے یہ اُپدیش دیا
کہ تُم ایک بے جان پتھر کیلئے ایک جاندار کی بلی چڑھاؤ؟

O

جسم میں رہ کر تُم اپنا گھر چھوڑ کر جنگل میں تپسیا کرو
سب بیکار اگر اپنے من میں تمہارا بسیرا نہ ہو
ہر سمے اپنی سانسیں ہی کیوں نہ گنتے رہو
تو جیسا ہے ویسا ہی رہیگا

O

کچھ لوگ ہیں جو سوتے نظر آتے ہیں پر ہوتے ہیں ہوشیار
اور کچھ ایسے بھی ہیں جو ہوشیار ہو کے بھی گہری نیند میں ہیں
کچھ ایسے ہیں جو اشنان کر کے بھی میلے ہیں
اور کچھ ہیں کہ ونواس کر کے بھی بے عمل ہیں

O

بہتے پانی کو روکنا اور آگ سرد کرنا
اور کبھی ہوا میں اُڑ کے دکھانا
لکڑی کی گائے سے دودھ لینا
سب چھل کپٹ ہے ، سچ نہیں

O

یہ سایہ بان، رتھ اور سنگھاسن
عیش و عشرت کے سامان، اور نرم پلنگ
یہ سب کچھ پا کے خود کو محفوظ سمجھنے لگو!
یہ گمان ہے، موت کے خوف سے بچائے گا کیسے

O

دیکھا ایک دانا کو بھوک سے نڈھال
جیسے پت جڑھ میں سوکھا پتا
ایک مورکھ کو دیکھ کہ رسویا کو پیٹ رہا ہے
یہ سب دیکھ دیکھ میں لل نجات چاہتی ہوں

O

کیوں ریت سے رسّی بنانے کے جتن کرتے ہو
کھینچ نہین پاؤ گے ایسی رسّی سے تُم اپنی ناؤ
بھاگ میں لکھا جا چکا ہے جو تمہارے
اُس سے دور بھاگنا کسی کے بس کی بات نہیں

O

سمجھے بناہی کتابیں پڑھتے رہو
جیسے مٹھو رام رام جپتا رہے
ایسا پڑھنا پانی سے مکھن نکالنے کے جتن ہیں
اس کے بدلے میں اہنکار کے سوا اور کچھ نہیں ملتا

O

شعور کا گھوڑا آسمانوں میں دوڑتا پھرے
اور پل جھپک میں لاکھوں میل طے کرے
جو کوئی اس گھوڑے کی لگام پکڑ سکا
وہ اپنی روح اور سانس کے پروں کو تھام پایا

O

بدن کے سب دروازے اور کھڑکیاں بند کیں
روح کے چور کو پکڑ کر اسے قید کیا
پھر اسے دِل کی بند کوٹھری میں بند کیا
اور اوم کے چابک سے اسے خوب پیٹا

O

ایک پل نہ رُکی، ایک پل اُسے جانے نہ دیا
میں لل اپنی شاعری کی مے سے سرشار ہوئی
اندر کے اندھیروں کو میں نے سمیٹا
اور اسے وہیں اور اسی جگہ چاک کیا

O

مارڈال یہ خوفناک بھوت: کام، کرود، اور لالچ
ورنہ یہ بھوت اپنی تیروں سے تجھے ہی مارڈالیں گے
اپنی روح کو خاموش سادھنا کی غذا دیتے رہنا
جان لے کہ ان بھوتوں کے معنی سمجھنا بہت کٹھن ہے

O

اپنی کاماؤں سے خود کو بچا کے رکھ اور سچ کی پہچان کر
چھوڑ دے یہ خیال کہ سچ تک پہنچنا مشکل ہے
وہ پاس میں ہی تو ہے، تو اسے دور کیوں ڈھونڈو
سمجھ لے کہ ایک نہ ہونا دوسرے نہ ہونے میں کھو گیا

کشمیری صوفی شاعری

O

شعور کے گھوڑے کی ڈور تھام کر اسے وَش کیا
اور پھر اسے اپنی دس ناڑیوں میں باندھے رکھا
شیش کل کا چاند پگھل کر اندر ہی اندر سرایت کر گیا
ایک ''نہ ہونا'' دوسرے ''نہ ہونے'' میں کھو گیا

O

ہنستی ہے، کھانستی ہے، چھینکتی ہے، جمائی لیتی ہے اور سوتی ہے
یہی ہماری کایا ہے کہ استھاپن پر اسنان کرتی ہے
یہی کایا ہے کہ سال بھر جنگلوں میں ننگی پھرتی ہے
ساتھ ساتھ رہتی یہی کایا، انمول ہے اپنی یہ کایا

O

من کو شُدھ رکھ اور اُنہیں اپنی کایا کے اندر ہی ڈھونڈھ
اسی کایا کو بھگوان کا سُروپ کہا گیا ہے
لوبھ اور کامنا سے صاف ہو تو بہت سُندر لگتی ہے کایا
اسی کایا سے ملتی ہے گرمی اور روشنی

نُند ریشی، شیخ نورالدین ولیؒ

(1378ء---1438ء)



وحدت کو سمجھو تو خود کو کہیں بھی نہ پاؤ گے
وحدت کے جلوے ہر طرف کثرت میں دیکھ
عقل و فکر کی کوئی رسائی نہیں ہے وہاں
ایک دریا ہے موجزن، کوئی اسے پی نہ سکا



مٹی یہاں ہے اور مٹی وہاں بھی ہے
مٹی ہے میری ذات، اسے گلزار کر!
سب کچھ چھوڑ کے میں نے دامن آپکا تھام لیا
اب تو اپنے دیدار سے نواز اس مٹّی کو!

O

وہ ہے کہ کوئی قیل وقال نہیں سُنتا
دیکھتا ہے تو بس ہمارے دِل کا حال
ذکرِ حق پڑھ، پر زبان نہ کھول
تب کہیں وہ راج ہنس تُمہارے ہاتھ لگا

O

اُسکے در پر جو آس لگائے بیٹھا
ضرور اُسکے ہاتھ سے شربت پایا
ذات ایک ہے پر پاتر الگ الگ
وہی پھلے پھولے جسے وہ چاہے

O

کون ہے جو تمہاری اَور بے غرض رہ کے آگے بڑھا
کون ہے جسے دل کی ایسی وُسعت حاصل ہو
جنت کی ہوس ہے یا دوزخ کا خوف
اے اللہ، لوگ تُمہاری عبادت کرتے ہیں

O

ناؤ سے جاؤ کہ پیدل چلو
اُلجھنوں میں رہ کر کہیں نہ پہنچو پاؤ گے
ایک ہی سیدھے راستے پر چلتے رہو
بھول بھلیوں میں بھٹکتے تھک جاؤ گے تُم

O

شک میں رہ کر کتاب کوئی کیا پڑھے!
اور ایشور کی حقیقت سمجھ پائے!
کون ہے جو پانچوں اندریوں کی ندیاں کھنگال پایا
کون ہے جو چلتی ہوا کو مٹھی میں بند کر پایا؟

O

علم سونا جان کر صندوق میں بند رکھنے کی چیز نہیں
دولتمند وہی جو دولت چلائے رکھے
تجارت کی کامیابی سچ بولنے میں ہے
ایمان چراغ ہے اسے تند ہواؤں سے بچائے رکھ

کشمیری صوفی شاعری

O

دودھ کا برتن دودھ کا مزہ کیا جانے؟
بھینس کیا جانے اُس گھاس کی قیمت جس سے قلم بنتا ہے؟
بن کے بندر کو چندن کی خوشبو سے کیا سروکار؟
موت کیا جانے صبح اور شام کا فرق؟

O

جھاڑیوں میں جواہرات نہیں ملتے
نہیں پاتے ہیں پنجروں میں رہ کر پرندے
ریت کے ڈھیر پر نرگس نہیں اُگتے
کانچ کے بازار میں جواہرات کی قیمت نہیں

O

اے عالمو! پڑھتے ہو تو بس مفت کی روٹی کیلئے
اور ایک دوسر کو ہرانے کیلئے
کیوں سمجھتے ہو کہ ہم خاص لوگ ہیں
بچ نہ پائے گا وہاں ہزراوں میں سے کوئی ایک

O

تیرے پاؤں تلے گہری کھائی او پر تو رقص کرے!

میرے پیارے! سب جان کر کیوں کر تیرا من لگا رہتا ہے

رقص کے بعد کی کمائی سمیٹ کے سب یہیں چھوڑنی ہے

میرے پیارے! پھر بھی تو اپنا پیٹ بھرتا ہی جا رہا ہے

O

بیت گئی بہار اور کستور بھی گانا بھول گئی

رنگین بلبل کی بھی زبان رُک گئی

بیت گئی جوانی تو کوئی دوا نہ ہوئی اسکی

نبات، قند، گھی، سب بیکار!

O

کچھ لوگ ہیں کہ جنکے در پر ساز ندرے گاتے ہیں

جو جاگتے ہوئے بھی خواب میں مست ہیں

کچھ لوگ ہیں کہ جن پر لاٹھیاں برستی ہیں

میرے اللہ! یہ سب تمہارا کھیل ہے کیا؟

O

ادھر ایک عورت رانی ہے، واما دیوی جیسی
سفید شفاف پوشاک سے آراستہ
ادھر ایک عورت کہ جو رات دِن آنسوں بہاتی ہے
میرے اللہ! یہ سب تمہارا کھیل ہے کیا؟

O

کچھ لوگ ہیں کہ عالیشان مندر تعمیر کرنے میں جُٹے ہیں
اور دھرم کے کنارے اور پُل بناتے ہیں
کچھ لوگ ہیں جو دوسروں سے چھین کر جیتے ہیں
میرے اللہ! یہ سب تمہارا کھیل ہے کیا؟

O

چند لوگ ہیں جنکے اناج گھر بھرے پڑے ہیں
طرح طرح کے اناج، سرخ اور سفید
کچھ ہیں جن کے پاس معصوم بچوں کو کھلانے کیلئے کچھ بھی نہیں
میرے اللہ! یہ سب تمہارا کھیل ہے کیا؟

O

حضرت بابا آدمؑ سب کا باپ ہے
ماں حوّا بھی اس کے ساتھ ساتھ آئی
پھر یہ شودر، چمار اور چنڈال کا کیا مطلب؟
پھر یہ نسل کا بھید بھاؤ کیوں؟

O

ہابیلؑ اور قابیلؑ جنم پائے
دونوں بابا آدمؑ کے فرزند
ایک مٹی میں دفن دوسرا چِتا کی نظر
پھر یہ نسل کا بھید بھاؤ کیوں؟

O

رنگ اور نسل سے رُتبہ نہیں ملتا
نسل کسی کے چہرے پر لکھا نہیں ہے
نسل کا خیال ہاتھ پاؤں سے طاقت چھین لیتا ہے
ساتھ اگر کچھ ہے تو تُمہارا عمل ہے، نسل نہیں

O

یخ، تخ‌پرِت اور برف

تینوں اللہ نے خود بنائے

مشرق سے سورج طلوع ہوا

تینوں پانی میں تبدیل ہوئے

O

خانوں کے وہ شاندار محل کیا ہوئے

من للچاتے تھے کہ ایک نظر دیکھ آئیں

اُنہی محلوں کی جگہ اب کپاس اُگ رہی ہے

نصرؔ! میں دیکھ چکا تو بھی جا کے دیکھ

O

خوشبو جسکے بدن کے اعضا، مغز جسکے اسپند

عاقلوں سے صحبت رکھتا ہو اچھی باتیں سننے کیلئے

عمل سے مالدار، اور تکبّر سے تہی

کوئی مسلمان ہو تو بس ایسا ہو



وہ جو روزمرہ کام سے دور نہ بھاگے
اپنی اچھائی اور نیکی سے اپنی روزی کمائے
جو اپنی انا کے شیر کو قابو میں لا سکے
وہ جو لوگوں کے طعنوں سے اور بے عزتی سے نہ گھبرائے
خود وہی کرتا رہے جو دوسروں کو سکھاتا پھرے
کوئی مسلمان ہو تو بس ایسا ہو



ایسے بھی لوگ ہیں جو پانی میں رہ کر بھی جل کر راکھ ہوئے
ایسے بھی لوگ ہیں جو آگ میں بھسم ہو کے بھی خوبرو واپس لوٹے
کچھ لوگ ہیں جو چٹانوں میں سے جواہرات ڈھونڈ لے آئے
کچھ لوگ ہیں جو سنگلدیپ جا کے بھی خالی ہاتھ لوٹ آئے

O

مٹّی سے خلق ہوئے آدمؑ اور تمام آدم زاد
مٹّی سے یہ گھر اور گھروں کی چیزیں بنیں
مٹّی سے ہی سب نعمتیں پیدا ہوئیں
مٹّی کے برتنوں میں ضیافتوں کی تیاری ہوتی ہے
جان چلی گئی اور بدن مٹّی میں واپس مِل گیا
یہ مٹّی ہی تو ہے کہ سب مٹّی کو خود میں ملا دیتی ہے

O

موت اور موت کے تیروں کا کیا علاج!
کیا کیا صورتیں تھیں کہ خاک ہوئیں!
پانی جیسے کچے برتنوں میں غائب ہو جائے
دُکاندار اپنی دُکان بند کر کے جیسے چلا جائے

O

موت ایک شیر ہے، پیچھے پڑا ہے، کہاں بھاگ پاؤ گے!
ریوڑ میں چھپ جاؤ، ڈھونڈ نکالے گا وہاں سے
ایک شربت ہے موت کہ پئیے بنا کوئی علاج نہیں
یہ اٹل سچ ہے، کاش سب پہلے سے ہی جان جاتے!

O

ساتھ ساتھ رہنے کا وعدہ کر کے آئے تھے اس دنیا میں
کہ ملکر جئیں گے اور حاصل کرتے رہیں گے
اپنے ماں باپ کو اپنی آنکھوں کے سامنے جاتے دیکھ لیا
دِل ہمارے پتھر تھے، پتھر ہی رہے

O

اب تو اُٹھنے کیلئے گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا پڑتا ہے
بیٹھنے کیلئے لاٹھی کا سہار چاہیئے
آہ! جب کبھی جوانی یاد آتی ہے
جیسے آسمان سے زمین پر آ گرتا ہوں

O

جوان بدن، چودھویں کا چاند جیسا روشن

چہرہ اندھیروں میں چاند جیسا تاباں

بڑھاپا آیا تو سب اعضا ڈھیلے پڑے

اپنے آس پاس کے لوگ بھی نفرت کرنے لگے

O

شام ڈھلی تو میری کانگڑی کی آگ بجھ گئی

چولہا جلایا نہیں ہے کانگڑی میں کیا بھروں؟

دھُند ہے جو دِکھتی ہے اور کان بہرے ہوئے

زبان گونگی ہوئی، کیسے کہہ پاؤں گا میں

لکڑی سے بنی اس عمارت کی کڑیاں بوسیدہ ہو گئی ہیں

سوچھِ کرال

(؟---1855ء ؟)

گُفتگو

میں نے کہا'' اے دوست، آ ہم دوست بنیں''
''سُن رہا ہوں میں، کیوں نہ بنیں'' اُس نے کہا
میں نے کہا'' کچھ سُنا تُم نے کہ بندہ ہوں آپکا''
''سُن کے شرمندہ ہیں سب'' اُس نے کہا
میں نے کہا'' کس قدر ہو نُکتہ گیر؟''
''ورنہ کیسے بنوں گا میں دستگیر!'' اُس نے کہا
میں نے کہا'' نکتہ گیری کہاں سے حاصِل ہوئی؟''
''جو کچھ حاصل ہے وہی واصِل ہے'' اس نے کہا
میں نے کہا'' یہ نکتہ آیا کہاں سے ہے؟''
''راہِ عشق میں پُختہ ہونے سے'' اُس نے کہا

میں نے کہا ''مجھے بھی عشق کا نُکتہ سمجھاتے !''

''میں بیان کروں تو کہاں رکھ پاؤ گے؟'' اُس نے کہا

میں نے کہا ''ہونے سے مجھے واقف کر!''

''اپنے ہونے کی رُکاوٹ ہٹا'' اُس نے کہا

میں نے کہا ''ظاہر کیا ہے اور باطن کیا؟''

''جو ظاہر ہے وہی باطن ہے۔'' اُس نے کہا

میں نے کہا ''مکان تیرا ہے کہاں؟''

''کہیں آبادی میں کہیں ویرانے میں۔'' اُس نے کہا

میں نے کہا '' کچھ آباد ہیں اور کچھ ویران!''

''اِسی سے میرا کام بنتا ہے۔'' اُس نے کہا

میں نے کہا ''یہ کیا طفلگی دکھائی تو نے!''

''یہ سب چار سو میرا ہے۔'' اُس نے کہا

میں نے کہا ''اِس طرح بے پروا کیوں ہو؟''

''میں پروا سے بھی کھیلتا ہوں۔'' اُس نے کہا

میں نے کہا '' یہ سب کچھ جو ہے جامہ ہے تُمہارا''

''یہ سب لامکان کے جلوے ہیں۔'' اُس نے کہا
میں نے کہا ''لامکان کا مقام کہاں ہے؟''
''صبح وشام نہیں ہے وہاں'' اُس نے کہا
میں نے کہا ''کِس کے لئے اپنے جامے رنگ رہے ہو؟''
''کسی سے تو رنگنے کی اُجرت نہیں مانگتا میں۔'' اُس نے کہا
میں نے کہا '' تُم لاشریک ہو، تنہا ہو''
''میرا طریقہ اُس بھی آگے ہے۔'' اُس نے کہا
میں نے کہا میں تُمہارے اِس طریقے کو سمجھوں''
''آ، میں تُمہاری آنکھوں میں سُرمہ لگاؤں۔'' اُس نے کہا
میں نے کہا ''سُرمہ لگانے سے کیا حاصل ہے؟''
''سچ اور جھوٹ کا فرق معلوم ہوتا ہے اِس سے۔'' اُس نے کہا

سوچھ کرال کہتا ہے کہ ''الف'' کا کوئی نقطہ نہیں
اگر ہے تو بس خُداوَند کی خُداوَندی ہے

ناؤ در آب، آب در ناؤ

جوئے آب میں ہی دریا بسا ہے

ناؤ در آب، آب در ناؤ

نقطہ نے عین کو بنایا غین

اور غین محرم ہوا تو اظہار کیا

یہ اظہار ہی تو تھا کہ منصور مارا گیا

جِس جگہ قلم کچھ کہنے لگا

اُس جگہ اسکی زبان کٹ گئی

شکوہ تختی کرے قلم سے کیا؟

جب کہ نکلا تھا بیضہ سے جوہر

نہ وہاں چونچ تھی نہ وہاں پر

ھُو کہتے وہیں سے وہ آیا

شے بنا ہے یہ سَہہ کے گلخن کو
نام کتنے پڑے ہیں لوہے کو
نہ بھٹک، ایک ہی یہ زنجیر

ناؤ اسکی ہے بحر ہے جسکا
بحر سے باد کو جدا نہ سمجھو
نہ کبھی یہ الگ ہے کشتی سے

لکڑی بن کی ہے اور آفتاب بھی بن کا
اور گُلہاڑی بَن کو کاٹ لیتی ہے
خود ہی اپنا داؤ خود سے کھیلے

غیر کی کھیتی اپنی نہیں ہوتی
فصل اُسی کا جو اسے جوتے
غرور چھوڑ کے سوچ کر آل اپنی حدیں سمجھ
ناؤ در آب اور آب در ناؤ

وہ ہی وہ، میں محض بہانہ

اے میں! میری اوقات کیا!
وہ ہی وہ ہے، میں محض بہانہ

ماں نے جس آن جنا مجھے
میں چاند سورج کی پہچان کرنے لگا
پر واپس گیا تو وہی انجان

دھاگا بُنتا گیا میں سانسوں کا
اور پڑھتا گیا ھُو اللہ
اُس کے معنی بھی تلاش کرتا گیا

جب کچھ نہ تھا پھر بھی کچھ تو تھا
نہ ہونا بھی تو کچھ ہونا ہی تو ہے
اِس ہونے کے معنی کون بتائے!

ضرب خانہ میں یوں میں پگھلا
الا اللہ مجھ پر پڑا ضرب
آخر صراف کی دوکان پر جا کے ہی میں شک سے چھوٹا

''ہمہ اوست'' میں جان نہ پایا
ورنہ شہنشاہ تو میرے گھر میں ہی بیٹھا تھا
کسے اپنا دشمن کہوں اور کسے اپنا دوست؟

سوچھ کرال ہر سمت جلوہ گری دیکھتا گیا
غیر اللہ کچھ نہیں ہے موجود
میں ''میں!'' کہنے سے آزاد ہوں

یہ تو محض گُمان ہے

نیچ سمندر ایک شیش محل

جس میں شاہ خود براجمان ہے

نہ وہاں دِن نہ وہاں رات

درد کی آگ بسا لے اپنے سینے میں

بہار اور خزان سب بہانے ہیں

رجز کہہ بس اپنی ہمت کی

اپنی عمر یوں تباہ نہ کر

کیوں تو بیگانہ بنا بیٹھا ہے

دوئی کی اس سوچ سے تیرا زوال ہے

اپنے دِل کو باندھے رکھ اور دیکھ

گُل کا مکان کہاں ہے
کیوں تُم نسیاں کے نشے میں رہو؟

چیتھڑوں کو قبا نہیں کہہ سکتے
پھر دامان دراز ہی کیوں نہ ہو
واپس آجا، کہیں یہ پھنس نہ جائے

اس سرائے فانی میں قیام ہے فقط ایک شب کا
اس کے اندر اپنی دوکان نہ لگا
آج نہیں تو کل کوچ کرنا ہی ہے

مرحبا اُس پر سوچ کر آل
جو جنم سے ہی دیوانہ بنا
مرتبہ مر کے ہی حاصل ہے

حاصلِ دردِ محبت

واصِل کی کیا بات کریں

حاصِل دردِ محبت

بات سے بات کھُل جائے

جب سے کان میں وہ بات پڑی

کِس سے کہوں کیا بات تھی وہ

راز تو اپنے پاس ہی ہے

شمع دان پہ شمع جلائے رکھی

پروانے نے طواف کیا

دونوں جل گئے باقی کیا!

آسمان کوئی بیہودہ بات نہیں
یہ زمین محض تُمہارا راستہ نہیں
ہر سو اُنکی قُدرت دیکھے جا

جس نے نعمتیں پائیں
اس نے حلاوت جانی
اور قیامت کو خیالِ خام سمجھا

جب سے سوچ کر آں واقف راز ہوا
تب سے اسکی بات میں حرارت ہے
سب باتوں میں ایک ہی بات پوشیدہ ہے

محمود گامی

{1765ء - 1855ء}

نعت

کرم کی اِک نظر مجھ پر محمدؐ
ترے قدموں پہ رکھ دوں سر محمدؐ

شبِ معراج تیرے مقتدی تھے
نبی اور سارے پیغمبر محمدؐ

کرشمہ سُرمہ گیں نظروں کا یہ تھا
کھِلے بادام کیا یکسر محمدؐ

تمہارا قاب و قوسین قبلہ میرا
عقیدت میں جھُکا لوں سر محمدؐ

تُمہارے ہونٹوں کی لالی چُرالی
گُلوں نے ہاتھ پھیلا کر محمدؐ

دِلم کُن محو انوارِ حقیقت
ہے بھاری جھوٹ اِس دِل پر محمدؐ
نہ کرنا عاشقوں میں مجھ کو رسوا
جہاں دیوانے ہوں مِل کر محمدؐ

ہے تیرا اُمتی محمود گامیؔ
جھکا کر در پہ تیرے سر محمدؐ

تمثیلِ آدم

تمثیلِ آدم ایک پانی کے بُلبُلے سے پوچھ

مست ہو، پر جان لو کہ تُم کِتنے پانی میں ہو

فکر کی رسّی سے ذکر کو کھینچ

تب جا کے تُمھاری ناؤ آگے بڑھ پائے گی

خوابوں اور خوشیوں میں غافل مت رہ

کسی کو طلب اور تلاش ہے

اور باتیں کرنے والا کتابوں میں کھویا ہوا ہے

اور غافل لہوولعب میں مشغول ہے

واحد خود ہی شاہد ہے کہ شراب کیا چیز ہے
زاہد اپنے زُہد میں کھو یا رہے
تو عاشق ہے عشق کے عذاب سے کیوں ڈرتا ہے؟

حُبّی نے اپنے حُب سے حُباب میں پھونک بھر دی
اور ایک ہی پھونک سے اسے پانی کے ساتھ ملا دیا
کیا مرا اور کیا حساب میں باقی ہے؟

اپنی سخت گیری کا پردہ پھاڑ کے حجاب سے آگے دیکھ
پادشاہ اور وزیر ایک ہی نظر آئینگے
آگے بڑھ اور قہر اور عتاب سے مت ڈر

پانی ناؤ میں ہے اور ناؤ پانی میں
جیسے حق آنجنابؐ کے ساتھ مِلا ہے
آنجنابؐ اصحاب میں جلوہ گر ہیں

اِن صورتوں کا معنی ہے خواب کی تعبیر
جیسے خوشبو گلاب میں ہے
جو واصِل ہے اُس کے سامنے نقاب کوئی نہیں

عشق کا یہ پُرانا مسئلہ لاجواب ہے
اِسکے معنی سمجھو تو کس حساب میں رہو گے
کعبے میں پہُنچ کر کِس جانب سجدہ کریں؟

مُرجھا گیا میں اسی اضطراب میں
کہ ذرّہ آفتاب کے ساتھ کب واصِل ہو جائے
اسی وجہ سے محمودؔ نے حباب سے بات پوچھ لی

صدائے ساز

صدائے ساز میں نے اپنے کانوں سے سُنی
آپ کو بھی دردِ نیستان سناؤں گا

عرش اور کُرسی کی بنیاد نہیں پڑی تھی
اور وہ میدان میں نمایاں بیٹھا تھا
نہ کوئی تاریخ تھی اور نہ کوئی سنہ

کوئی بارش نہیں ہوئی تھی بود کی جلوہ گری نہیں تھی
جو کچھ تھا بس پریشاں تھا
بات شروع نہ ہوئی تھی ، یہ راستے نہیں بنے تھے

آدمؑ اور حواؑ کی پیدائش نہیں ہوئی تھی
ہر سو بادام کے شگوفے تھے
میوہ کسی نے نہ کھایا تھا اور پتے نہیں گرے تھے

الف اور میم تب بھی ایک تھے
آئینہ نے زنگار پا کے ہی حیرانی پائی
د، ذ، ر، ز، ص نہیں آئے تھے تب تک

کتنے سارے اِس دریا نے مدہوش کئے ہیں
عقل اور فکر کے پاس کوئی جواب نہیں
پر صفات نے ہی ذات کو جلوہ گر بنایا

محمود نے وجود کو ہی شہود بنایا
بقا موجود ہے، سُن کر جان لے
یہی منصور نے بھی پڑھا تھا

درد کا علاج نہیں

جسے اپنا معشوق چھوڑ گیا
اسکے درد کا کوئی علاج نہیں

شالیمار لالہ زار ہے
کشتیوں میں سب نکل پڑے
مجروح کے سامنے سب نعمتیں بیکار

محبوب کی تلاش میں پاؤں چھلنی ہیں
جیسے کوئی فریادی دوڑتا پھرے
پھر وہ اطلس میں ہی ملبوس کیوں نہ ہو

قیدیوں کو جیسے خطِ آزادی ملا
اور قیدی قید سے نکل پڑے
وہ حال ہے محبت میں گرفتار شخص کا

غم کا بوجھ اٹھائے شمشاد بھی ہل جاتا ہے
غم لے کر فرہاد نے کتنی ندیاں کھود ڈالیں
پھر بھی محبوب اُسے نہ ملا

شاہِ یوسف خریدنے کے لئے
عاد کی دُختر دیوانی ہوئی
عشق کی کُلہاڑی نے سرسبز ٹہنیاں کاٹ ڈالیں

درد سے جسکے استخوان گھس گئے ہوں
اسے بزمِ شادی سے کیا مطلب!
اسکی باتوں کو کون سمجھ پائے!

جب محبوب کی زلفیں ہلنے لگیں
شیخ سعدیؔ بھی ایکدم گرفتار ہوا
عشق کی تپش سے ہوش وحواس پریشان

محمودؔ! اب وہاں جا کر ہی علاج کی امید ہے
تُمہیں جو عشق کا درد درپیش ہے
اب تو آگے قدم بڑھانے میں ہی خیر ہے

گیت

سب سے بڑے نصیبوں والے
آجا میرے سنگ تو آجا
آنکھیں تھک کر چور ہوئی ہیں
تیری راہیں تکتے تکتے
کیسے ہوا تیرا من میلا
آجا راتیں چاند کی آئیں
آجا میرے سنگ تو آجا
پھر آجا پن گھٹ کی جانب
تیرے پھول سے پاؤں دھولوں
اپنے داغ دھُلے نہ دھُلتے
آجا میرے سنگ تو آجا
تکتا تیری موہنی صورت
خال اور زلفیں ڈس لیتی ہیں

گھیرے ہیں یہ ظُلمی مجھکو

آ جا میرے سنگ تو آ جا

مدِ را کے میں پیالے بھر لوں

پھولوں کی مالا پہناؤں

جیوَن کی یہ ڈور نہ ٹوٹے

آ جا میرے سنگ تو آ جا

گیت

کب سُلجھے گی میری اُلجھن
سوہنے سُندر میرے ساجن
میں نے اُسکو کہاں نہ ڈھونڈا
لیکن جگ میں وفا نہ دیکھی
آ کر اب نینوں میں سما جا
سوہنے سُندر میرے ساجن
ہر سوتن ہے کوستی مجھکو
میرے چنچل اُڑتے پنچھی
آجا کام دیو اس رستے سے
جل برسائیں نینا میرے
سوہنے سُندر میرے ساجن
اپنی چھل کپٹوں سے تو نے

میرا من اور پران چُرایا

سوہنے سُندر میرے ساجن

مجھ سے تو نے کیوں مُنہہ پھیرا

من کی آگ اب اور بھی بھڑکی

میں اور یہ تقدیر کے پھیرے

سوہنے سُندر میرے ساجن

مدھ مست نین تیر چلائیں

گھایل دِل کو کون سنبھالے

آجا پھول نہ مُرجھا جائیں

سوہنے سُندر میرے ساجن

دوار پہ یہ محمودؔ ہے آیا

آس لگائے ہاتھ پسارے

داتا منگتے کو کچھ دیدے

سوہنے سُندر میرے ساجن

گیت

کتنے رین بتائے میں نے تیرے دوارے
پھر بھی پہنچ نہ پائے تجھ تک میرے نالے

لال کلی ہوں اُجلا اُجلا پیراہن
سورگ کی نرگس جیسا ہے میرا جوبن
ملن ہمارا کل ہوگا محشر کے دِن

میں تیری داسی بن کر جیون بیتوں
پر تو نے اپنوں میں مجھے نہیں گِنا ہے
اس کارن میں للّ کی مانند دیوانی ہوں

کہتی رہتی عشق کی باتیں بھی میں یوں ہی
بات سنو محمودؔ کی میری جان سنو اب
ہم سب کو اِک دن ماٹی میں مِل جانا ہے

رحمان ڈار

{؟-1900ء}

گُلِ وحدت

صاحب دِل جو ہیں وہ بے سر ہی سر کر گئے اپنا وجود
حصول اثباتِ وجود کے بعد واصِل ہوئے وحدت کے ساتھ
واجب الوجود کے عرفان سے سرشار بھی ہوئے
حقیقت کہیں اور نہیں ، اپنے پاس ہے ، اشارہ سمجھ
ملکِ وجود میں گُل وحدت کِھل اٹھا ، روشن ہیں مہر و ماہ
صفات میں ظہورِ حقیقت کی جلوہ گری ہے ہر سو
معرضِ مثال سے آشنائی ہی شناسائی ہے
مطلوب اپنے پاس ہے تو اسکا ادراک کیوں نہیں
کوئی ہے کہ جسے دید سے شناسائی ہوئی تو کسی کو شنید سے
اور ایسے بھی لوگ ہیں جو باطن میں غرق ہو کے بھی پریشان ہیں

ایسے بھی لوگ ہیں جو از حال ہوئے جیسے بکھرے عکس

جو اس اسرار سے محرم ہیں وہ ہمنام ہیں، ہم نشان بھی ہیں وہ

ہر کسی گمان سے آزاد اور فنا فی اللہ

بات ایک ہے، راستہ مُختصر ہے، فرقان گواہ ہے

فَثَمَّ وجہُ آباد ہے ذرّات میں عیاں

ہر شَے میں شریعت ہے، فرق ہے تو طریقت کا

حقیقت کے دو بدو عقل حیران ہے

رحمان ڈآر سے اسکی تفسیر سُن

تسخیرِ ذات

تدبیر کرتے کرتے ساری عمر بیتی
تقدیر نظر کہیں نہ آئی

لوحِ محفوظ پہ جو کچھ عبارت ہے
وہ نبھا رہا ہوں
لانہایت اندیشوں میں گرفتار رہا
منزِل نظر نہ آئی

ابلیس نے فریب دیا
مکمل تعمیر اُجڑ گئی
تب سے اِس درد کی کوئی دوا نہ ہوئی

تب تو نے مجھے اپنے ظہور سے نوازا
ہر سمت نور ہی نور پایا
تب سے میں وصال کے جاموں میں ملبوس ہوں
تو ہے کہ میرے ہر ذرّے میں سرایت

وہی بیروں میں نظر آئے جو دروں سے نکلے
وجود کا ہر ذرّہ تسخیر ہوا
بدن اس جلال کے ادراک سے نڈھال ہوا

شب و روز فکر میں الجھے رہنا
سر پہ پانی اٹھائے بھاگنا ہے
مستی، حسد اور شہوتوں میں رہ کر منزِل ممکن نہیں

اے راہرَو! یاد ہے
کبھی قالو بلا کہہ کے آگے بڑھا تھا؟

یاد نہیں کہ فرض و فرمان جو تُم پر قرض ہے؟
رحمتیں جو نازل ہوئیں تُم پر، اب انہیں پہچان

بے شمار لوگوں کو اس سِمت دوڑتے دیکھا
وہی جانے جسے اُس حال کا تجربہ ہوا
زیارتِ سرکار کی چاہت ہے تو
ہر دم محوِ تلاش رہ

اپنی آنکھوں کو پیر بنا اور قدم بڑھا
اور واپس مُڑنے کا خیال ترک کر
تب کہیں کثرت میں وحدت کا عرفان پائیگا
تب کہیں تُمہاری راہیں روشن ہونگیں

شمس فقیر

{1843ء -1904ء}

آشیانہ نابود کا

نابود سے بھی دور کہیں میرا اپنا آشیانہ تھا
عشق کی آگ کی لپیٹ میں آیا تو بھسم ہوا

گھنیروں میں ایک چھن چھناتی ڈولی رکھدی اُس نے
اور میں بھی چھن چھناہٹ کی آواز سُن کر اُسی میں آ بیٹھا

کُلیت کے گُلزار کا مزہ لیتا رہا تھا میں
گُلِ شفتالو بھی دکھایا گیا مجھے
ہاتِفؔ نے مجھے پکارا اور اپنی ہمدردی جھٹلائی

حضرت ہادیؑ نے بھی خبردار کیا مجھے
کہ دنیا محض پنچھیوں کا اُڑتا غول ہے

چونکہ میرے وجود میں ہوا کی آمیزش تھی
میری دلچسپی کیلئے ہر عام وخاص کی چیز رکھی گئی

پھر کیا ہوا
مجھے آگ میں جلتے کوہ وبیابان نظر آئے
اور کہیں بھی پانی کا نام ونشان نہ پایا

ایسے میں ایک ہری بھری سبز جگہ نظر آئی
ایک جال پھیلایا گیا تھا وہیں
جسمیں میں پھنس گیا

کوّا فوراً اُلّو کے پاس اُڑ کے فریادی ہوا
کہ وہ جو سلامت تھا ایک جال میں پھنس گیا
اگر تُم اُس کی حالت دیکھتے تو جان لیتے
پر وہاں کا راستہ نہایت دشوار ہے

اُلّو نے یہ سُنتے ہی اپنا سر نیچے کر دیا
کوّا جانا کہ اپنا ہی دوست مر گیا
یہ خبر لیکر کوّا راج ہنس کے پاس بھاگا آیا
اور زار زار رویا

ایسے ہی ایک جال میں پھنس گیا تھا میں
کوئی فندباز غارت کر گیا تھا
میں سیرت کو چھوڑ کر صورت کے جھانسے میں آیا
دولت آخر مٹی ہو جاتی ہے

میں بلند مقام پر ایک راجا تھا
پر ازل نے مجھے دھوکا دیا
میری آنکھوں میں راکھ کا سُرمہ لگا
جو میرا خادم تھا، وہی میرا دُشمن ہوا

بلندی سے نیچے دیکھا
اپنے ہار سے ایک موتی کھویا پایا
میرا ہار جل کر بھسم ہوا
جو میں نے آگ سے ہاتھ ملایا

بادہ فروش نے مجھے وعدہ دیا
''اے کہ تُم جو گھر کے مالک تھے اُمید نہ چھوڑ
اپنے اور پرائے میں اگر فرق نہ جانو
پھر سے لاکھوں کے مالک بنو گے تُم!''

اس مقام پر مجھے سات چشمے دِکھائی دے
اور سب سے پرے ایک آبشار نظر آیا
چندن کے بن میں حضرت ادریسؑ کو دیکھا
اور حضرت الیاسؑ کو پیوند کرتے پایا

میں سمندر کی تہہ میں ٹٹولتا گیا
اور اپنا کھویا موتیوں کا ہار بازیاب کیا

حضرت خضرؑ نے اس مقام پر مجھے خبردار کیا
نیچے مت اُتر کہ اندھے ہو جاؤ گے

شمس فقیرؒ، وہی آلام جانے
جسے آلام کا تجربہ ہو
جدید اور قدیم کی قدر بھی وہی جانے
مطلب ہے پلاس کا خرقہ پہننا

ہیچ

ہیچ ہوں میں، تو ہیچ ہو کے کسے خود کہوں؟
اُدھر بھی ہیچ دیکھا اور ادھر بھی ہیچ
ہیچ ہوں میں، تو ہیچ ہو کے کسے خود کہوں؟

میں نہ کوئی فرشتہ ہوں نہ کوئی جنّات،
میں نہ تو انسان ہوں نہ آدم ذات
میں فقط ''نہ ہونے'' میں ''ہونے'' کی تلاش

نہ تو میں کوئی دیندار ہوں نہ کافر،
نہ مومن ہوں، نہ مجھے استغفار چاہیے
میں نہ ہو کے بھی خود کے طواف میں ہوں

سوچا تھا کہ اس نہ ہونے کے معنی بیان کروں
پر جب میں نہ ہونا بتاؤں تو کوئی کیسے سمجھے؟
اس کوشش میں شرمندہ اور پشیمان ہوں میں

بس اپنے اندر کی آواز سُنتے رہو
دو دُنیاؤں کی پہچان کرو
اور عارفِ یزدان بنو

حسرت کا مقام ہے تمام کثرت
ساتھ ہی وحدت اور وحدانیت بھی
میں حیرت میں پریشان

فنا ہو جاؤ تو اُسی کے ساتھ فنا کا تصور بھی فنا
بقاباللہ فقط ربّانی ہے
جو واصِل اور یکساں ہیں

وہ اگر دریا ہے تو باقی سب قطرے
وہ غوث، عاشق اور ابدال ہوں
یا ولی اور انبیاءً

جب غیب کی تختی پر سب کچھ تحریر ہے تو
ہزاروں آفرین اور ہزاروں ملامتیں بے معنی ہیں
یہ بات وہی جانیں جو رِندِ مست ہوں

میں عالمِ غیب میں کود پڑا
دیکھا کہ کچھ تو ہے جسے دوام ہے
پر میں غیب الغیب ہی رہا

مجھے ازل سے ہی غیب کے پر مِلے تھے
باد، نار، خاک اور آب کچھ بھی نہیں تھا
میرا گذر لامکان سے ہوا

اول وآخر نورِ محمدؐ

خدو لاحد میں بس انہیں کا ظہور

حیات النبیؐ تاباں ہے

میں خود ہی شمسؔ ہوں اور خود ہی سکندرؔ

خود ہی سرمدؔ ہوں اور خود ہی خاور

میں خود ہی آزاد سلیمانؔ

ظہور

اللہ اور ھُو ھُو میرے من میں ہے
کیسے کہہ پاؤں کہ ظہور اسی کو کہتے ہیں
عشق کی آگ نے میرے وجود کو راکھ کیا

رِند جو ہیں انہیں ہنستے کھیلتے دیدار ملا
انہیں زندگی ملی اور نور کا مشاہدہ ہوا
ظہور سے پہلے ہی طور جل کر خاکستر ہوا

عابد اور زاہد انکے سامنے پیدا ابھی نہیں ہوئے ہیں
اس منزِل کی واحد مثال شیخ منصور ہے
معرفت پینے سے پہلے ہی اُس نے اَنا کہہ دیا

اپنی آنکھوں سے سُننے اور کانوں سے دیکھنے لگو گے

مقامِ محمود جب تُمہارے حضور ہو گا

اُس مقام پر رفتار اور گُفتار کے معنی کچھ بھی نہیں

شمس فقیرؔ! راز کی بات بس ایک ہے

بس مخمور ہو کر اپنا سر جھکائے رکھ

وہاں داخلہ صرف اُسی کو ہے جس کیلئے دروازہ وا ہو

دیوانے معشوق کی یاد

سُن ! میں دردِ عشق میں مبتلا ہوں
دیوانے معشوق کی یاد آئی ہے

اُس کمہار نے کتنے سارے برتن بنائے
گونا گون ! کوئی شُمار نہیں
سب کے سب پختہ ، بس ایک میں ہوں جو خام نکلا

اُس یکتائی نے ہر سو جلوے دکھائے
اب اُس واحد کو کیا نام دوں
میں خود کی چرخی پر دھاگا چڑھاتا جاؤں

یار، دوست، رشتے، کوئی بھی نہیں
سب کے سب بے وفا
خام لوگوں کے ساتھ واسطہ پڑا ہے مجھے

حَ کے دریا میں غوطہ لگایا
اپنی ہی سانسوں کی تہہ ڈھونڈی
دور، برزخ میں نور دکھائی دیا

اپنے ہی دِل کے دروازے سے اندر گیا
اور مُلکِ وحدت میں سے گذرا
عرش کی ندی سے عرفان کی ندی پھوٹ پڑی

اپنے ہی گھر میں معراج حاصل کیا تو نے
مرحبا، اے شمس فقیر!
ہیچ ہو کے بھی ہست کو دیکھا

غزل

ہر سو اُنکے جلوے پائے، شئے خالی نہ کوئی
میں اسرار سے واقف کردوں، لا پروا مت رہنا

دَم بھر دِل کے دروازے پر کان لگا کر سننا
نغمہ وساز ہے افضل، زیر و بم کی شان

وحدت میں ہی کود پڑو، شہنشاہ کو جانو
رِند اگر ہو مر کر دیکھو، بچّہ بن کر کھیلو

ایک سمندر گہرا ہے یہ، اندھا کیوں کر دیکھے
معنی کیا محیط ہے رکھتا، عاقل ہی بس جانے

جب فنا کے جامے پھاڑو، نظروں میں کھو جاؤ
اپنی ذات کو جانو گے تب، پیمانہ ہے خالی

گُم وجود و شہود کو دیکھا جب سجود میں آیا
تنہا راز کو پایا عریان، کوئی لباس نہ پہنے

عاشق مر کر زندہ ہو جائے، اسکا نفع کہوں میں کیا
شمسؔ! سوالی آئے ہو تو خود آزما کے دیکھو

احد زرگر

{1882ء-1983ء}

میں ہی میں

میں ہی درون اور میں ہی بیرون کا پوشیدہ راز
کسے سجدہ کروں اور کس کیلئے نماز پڑھوں
مندر و مسجد کا فیض فقط ہوں میں

ہر سرود کا نکتہ سنج گوش گیر ہوں میں
میں ہی ذرّات میں جاری زیر و بم
میں ہی وادر یچے پر اور میں ہی در پر کھڑا

بود و نابود کا سود بھی میں

میں ہی وجود و سجود کا مقصود

وجود و شہود کا دولہا بھی میں

میں خود ایک دُرِ سمندر

لعل، گوہر اور مرجان بھی میں

میں دیار ہوں تجسیمِ فرقان

میں بندہ ہوں پر میں ہی معبود

میں ہی حیات و ممات کا سلسلہ

عشق کی بازی کھیلنے کیلئے بھی میں

میں زمین و آسمان میں ہر سو سمایا

میں ماہ مہر درخشان ہوں ہر سو

روز و شب کے سلسلے میں اور لوح و قلم بھی میں

ادنا ذرّات میں بکھرا ہوں
مجھے ہی شرف المکان بالمکین
میں ہی خود میں ہی دمساز

شش جہات میں میری ہی دوکان ہے
میں ہی دو آنکھوں کی جانب ہمہ تن گوش
میں اپنے کانوں کو آنکھیں بنائے پھروں

میں اپنے فن سے ہوں نحن اقرب محیط
میں ہی مَن جبل الورید کی تاکید
میں ہمہ تن اور میں ہی تہہ و بالا میں محوِ پرواز

شریعت، طریقت، حقیقت سب مجھ میں
اور میں ہی چاروں عناصر کی دلیل
وحدت کا تازہ پیالہ لئے ہوں میں

نیست

جُز نیست ہست کا امکان نہیں
نیست ہی نیست جلوہ گر دیکھوں
نیست گر نیست ہے تو فریب کس نے دیا مجھے

نیست سرِ مقام کا شاہ ہے
نیست ہر نفس کے ہمراہ
نیست کے زیر و بم کا ساز بجتا ہے ہر سو

نیست حیات کو بازیاب کرے
نیست عالمِ اسباب کی قوّت ہے
نیست کی ہُنر افضل ہے

ہفت خانوں کا عرفان ہے نیست
خس و خاشاک میں حیات ہے نیست
نیست کو نیست کی یاد آئی ہے

نیست ہر رُخ کا آئینہ
ظاہر و باطن بھی نیست
آخر و اوّل بھی نیست

نورِ پاک کا نور ہے نیست
نیست منصورؔ کا اعلان
ہر لمحہ نیست مجھے اپنی طاقت دکھائے

ہر جان کے اندر نیست دو کان سجھائے ہے
نیست جلوہائے یزدان ہے
شش کل کی بیداری بھی نیست

نیست کی حقیقت اپنی جان میں پائیں
نیست کے گرد مثلِ پروانہ رقص کر
نیست کو مَن میں جگائے رکھنا

سِرِ فرقان ہے نیست
عرش و فرش میں نیست ہے جلوہ افروز
ہر شَے میں صیقل ہے نیست

احد زرگر نیست سے سرشار ہے
نیست ہر نفس کیلئے سر خط ہے
رنگ و بیرنگ میں عیاں ہے نیست

سیاہ کار

چشمِ نرگس بن کر گریہ کروں
کہ سیاہ بھنورا سیاہ کاری پر جا نکلا

عجب ہیں سات چشمے سیاہ
ساتوں میں سیاہ پانی معلق
سیاہ شہر کا ممبع ہے سیاہی

سیاہ زمین ہے، سیاہ ہے ظُلمات
اور سیاہ ارض و سموات
سیاہی سے سنگِ پارس بود ہوا

لیلےٰ کا رنگ سیاہ
اسکے سیاہ رُخسار پر سیاہ تِل
میں انکے سیاہ زُلفوں کو سنواروں

سیاہ نجد کی جانب مجنون نکل پڑا
سیاہ چشموں سے سیاہ آنسو ٹپکائے ہوئے
اپنے محبوب کی خاطر سیاہ کلمات لبوں پہ لئے

ملکِ سیاہ میں ہیمال کا مسکن
پاتال میں اسکے سیاہ زنگی نگاہ بان ہیں
سیاہ ناگ راۤئے ادھر انتظار میں ہے

شیخ صنعان نے سیاہ زنّار پہن رکھا ہے
اسے سیاہ کاری ہی منظور ہے
وہ اپنے محبوب کے خطِ سیاہ پر فریفتہ ہے

تختِ سیاہ پرسیاہ سلطان براجمان
سیاہ ڈیوڑھی پہ سیاہ ڈیوڑھی بان
اورسالارکی لشکربھی سیاہ

سیاہ آسمان پرسیاہ آفتاب
کافرسیاہ تپسیامیں مست
سیاہ اسرارکے سیاہ معنی ہیں

سیاہ ناؤاورسیاہ دریا
سیاہ موج گیرسیرپرنکل پڑا
سیاہ ناؤ تُند ہواکے تھپیڑوں میں ہے

سیاہ شہرمیں اِندرکاراج ہے
سیاہ پریاں سازبجارہی ہیں
شہرِسیاہ میں سازِسیاہ کی گونج

بحرِ سیاہ میں گوہرِ سیاہ ہیں

سیاہ غوطہ خور تلاش میں ہے

سیاہ موتیوں پر میں ہاتھ ماروں

احد زرگر سیاہ تُحفہ لئے آیا

گلے میں سیاہ موتیوں کا ہار پہنے ہوئے

اُس نے تو سیاہ دُروں کا انبار لگایا

مٹی کا نغمہ

مٹّی سے ہژدہ ہزار عالم بنے ہیں
مٹّی میں ہی سب اسرار پوشیدہ ہیں
مٹّی سے تمام زیرو بم پھوٹتے ہیں

مٹّی میں سے باہر آیا اَلست بِرَ بِکُم
مٹی نے ہی جواب کہا کہ مجھے منظور ہے
تب سے مٹّی سر خم کیئے ہوئے ہے

مٹّی ہی روح اور مٹّی ہی قالب
مٹی ''سوہم'' اور مٹی ہی پرالب
مٹّی سے سب دیوتاؤں کی تجسیم ہوتی ہے

مٹّی سے لاتعداد پھولوں کی نمود
مٹّی نے ہی لاتعداد بلبلیں دیوانہ کیں
اور مٹّی سے آدم کی پیدائش ہوئی

مٹّی میں ہی میں نے تمام حرکات کو محسوس کیا
مٹّی میں ہی مجھے ذات کے جلوے دکھائی دیے
اور مٹّی ہی ہے کہ جسمیں عالمِ غیب بھی نظر آیا

مٹّی سے اصل کی راہیں پھوٹتی ہیں
مٹی آگے پیچھے داہنے باہنے پھیلی ہوئی ہے
وہ جو محرمِ راز ہیں مٹّی کا ہی طواف کرتے ہیں

ارض وسماوات سب مٹّی کے
مٹّی کا مکان اور مٹّی کا مکین
تن، من، جسم اور جان سب مٹّی کے ہیں

جب منصور نے مٹّی کا نغمہ سنا
مٹّی یکبار نور کی صورت اختیار کر گئی
مٹّی نے تب اپنی خبر سنائی

مٹّی نفی اور مٹّی اثبات
مٹّی ممات اور مٹّی حیات
مٹّی نَے سے نغمہ بن کر گھونجتی ہے

مٹّی اوّل اور مٹّی آخر
مٹّی ظاہر اور مٹّی باطن
مٹّی یقیںا وجہ کا گُماں ہے
مٹّی کے اندر تنہا نقطہ پوشیدہ ہے
مٹّی کا نغمہ کہوں تو لاہی لا نظر آئے
مٹّی ہی مٹّی ہے تو احد زگر بے غم ہے

طائرِ عجب

ہر زمان کو اپنے گھر میں تلاش کرتے ہوئے

راج ہنس اپنے شاہ پروں سے پرواز کرے

کیا خوب ہیں اسکے رنگ بستہ بال و پر

اسکے سیاہ مرجان کے ہاروں کی جھنکار بجتی ہے

تہہ و بالا کی پروا کیئے بنا آسمانوں میں اسکی پرواز ہے

اوپر اور نیچے جا کر خود کے گرد گردش کرے

جلوتوں میں بھی مزے لیتا ہے

خلوتوں میں ہو تو تاروں کے ساتھ کھیلے

اسکا واسطہ ہے چار بروجوں سے

تین ۳ میں رہ کر نور و ظلمات کی جلوہ گری

فنا کے جامے پہن کر باہر نکل پڑا ہے

بقاؑ کو سینے سے لگائے اسے سہلائے

جبروت اسکے کانوں میں اسرارِ حق کی آواز

وہی بات ملکوت میں جا کر عیاں ہوئی
عاشق فقط کارِ مولا کا بوجھ لئے پھرتے ہیں
عشق کی سوزِش سے ہی نکتہ سنج پُختہ ہوتے ہیں
وہ جنکی عرش وفرش میں اوپر نیچے راہ گذر ہیں
انہیں معرفت ہر وقت نصیب ہوتی ہے
خوابِ غفلت چھوڑ کے ظلمات میں داخل ہوئے
ہر جگہ وہاں آبِ حیات کے نشان نظر آئے

احد زرگر تو بھی اگر راج ہنس بن پاؤ
تو بھی لانہایت میں اپنا آشیان بناؤ



کشمیری صوفی شاعری

ترتیب وتزئین

خلیل مامون، شفیع شوق

آل انڈیا اردو منچ

سرینگر